بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ صَلَّی اللهُ عَلَیۡكَ یَا وَلِیَّ الۡعَصۡرِ (ع) اَدۡرِكۡنَا

خلافت۔جانشینی در صفات و کمالات

دین مقدسِ اسلام میں امامت اور خلافتِ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عقیدہ ایک نہایت بنیادی مسئلہ ہے۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے لوگوں نے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفہ کے انتخاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن و دفن پر ترجیح دی یہ اور بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی نمازِ جنازہ اس شخص نے پڑھائی جس کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا وصی بنایا تھا۔

خلافت یعنی جانشینی، امامت یعنی رہبری، سوال یہ ہے کہ یہ خلافت کس کی جانشینی ہے اور یہ امامت کن امور میں رہبری ہے۔یہ بات بالکل ہی واضح ہے ایک معمولی شخص بھی اس حقیقت کو باآسانی درک کرسکتا ہے۔جس جگہ کے لئے انتخاب کیا جارہا ہے اس جگہ کی خصوصیات کا علم ضروری ہے۔اگر آپ کسی سے کہیں مجھے ایک آدمی کی تلاش ہے تو فوراً سوال کرے گا کس کام کے لئے۔ایک انجینئر کی ضرورت ہے سوال کرے گا کس میدان میں اور کس کام کے لئے۔اگر گھر کی تعمیر کے لئے افراد کی ضرورت ہے تو مزدور کی الگ خصوصیات ہیں کاریگر کی الگ خصوصیات ہیں نگراں کی الگ حساب و کتاب رکھنے والے کی الگ۔ ہر آدمی ہر جگہ فٹ نہیں ہوسکتا ہے۔اگر کاریگر کو مزدور کا کام اور مزدور کو کاریگر کا کام دے دیا جائے، گھڑی ساز کو لوہار کا کام دے دیا جائے اور لوہار کو گھڑی ساز کا کام دے دیا جائے تو سارا کام خراب ہوجائے گا۔

لہٰذا یہ جاننا ضروری ہے کہ خلافت کس کی جانشینی ہے اور امامت کن امور میں رہبری ہے۔

آیا یہ خلافت حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی ہے۔یہ گدی نشینی ہے جہاں بیٹا (فرزند) باپ کا وارث ہوتا ہے۔یہ وراثت نسل کی بناء پر ملتی ہے صلاحیت کی بنیاد پر نہیں؟

یا یہ خلافت حضرت خاتم النبیین، اشرف المرسلین، طٰہٰ و یٰسٓ صاحبِ مقام قابَ قوسین او ادنیٰ وَما ینطقُ عن الهویٰ، وَما رمیت اَذ رَمیت لکن الله رمیٰ، الم نشرح لكَ صدرك و رفعنا لكَ ذكرك، علّمك مالم تكُن تعلم ...... کی جانشینی و خلافت ہے۔

اگر یہ خلافت و جانشینی حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت و جانشینی ہے تو یہ جگہ اس کو ملنا چاہیے جو قانون میراث کے اعتبار سے حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب ہو۔ان کی نسل سے ہو ان کے خاندان سے ہو۔اس میراث میں غیر کا کوئی تعلقِ حق نہیں ہے۔اس میں کسی صلاحیت و استعداد کی ضرورت نہیں ہے۔بس نسل سے ہونا کافی ہے۔جیسا دنیا کی تمام میراث میں ہوتا چلا آرہا ہے۔بیٹا باپ کا جانشین قرار پاتا ہے چاہے اس میں باپ کی خصوصیات نہ بھی ہوں۔

اور اگر یہ خلافت و جانشینی کسی صاحبِ منصب و مقام کی جانشینی ہے یعنی یہ خلافت کسی خاص شخص کی جانشینی نہیں ہے بلکہ ایک منصب کی

جانشینی ہے۔ جانشین میں صاحب منصب کی خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی یونیورسٹی میں انگریزی ادبیات کے صدر کی جگہ کسی کی تقرری ہونا ہے تو اس شخص کا تقرر ہوگا جو انگریزی ادبیات میں مہارت رکھتا ہو۔ کیا اس شخص کو انگریزی ادبیات کے شعبہ کا صدر بنایا جاسکتا ہے جس کو (اے، بی، سی، ڈی) ہی نہ آتی ہو۔ اگر زبردستی یہ کام ہو گیا تو اس شعبہ کا حال کیا ہوگا یہ سب پہ ظاہر ہے۔ وہاں سب کچھ ہوگا انگریزی ادب نہ ہوگا۔

دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ صدر کی جگہ پر تقرر کرنے کا حق صرف ان لوگوں کو ہے جن لوگوں نے اس سے پہلے کے صدر کو مقرر کیا ہو۔ اگر کسی کمیٹی نے مقرر کیا تھا تو وہی کمیٹی اس کا جانشین بھی مقرر کرے گی۔ مثلاً ہندوستان میں مرکزی یونیورسٹی میں وائس چانسلر کا تقرر ملک کا صدر کرتا ہے اس کی دستخط سے تقرری عمل میں آتی ہے لوگ زیادہ سے زیادہ اپنا مشورہ پیش کرسکتے ہیں مگر آخری فیصلہ اور تقرر ملک کے صدر کو کرنا ہے۔ اور بس صرف اسی تقرری کو قانونی حیثیت حاصل ہوگی جو صدر کی طرف سے ہوگی۔ اگر شعبہ کے لوگ اپنی طرف سے کسی کو منتخب کر کے اس جگہ پر بٹھائیں جگہ تو کسی طرح سے پُر ہوجائے گی مگر یہ قانونی نہ ہوگی۔

تیسرا اہم مسئلہ یہ ہے۔ آیا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری صرف سرحدوں کی حفاظت اور ملک کی انتظامیہ تھی۔ تا کہ ان کی جانشینی کے لئے ایک فوجی جنرل یا ایک سیاستداں کی ضرورت ہو جو ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرسکے اور ملک کی انتظامیہ کو سنبھال سکے۔ یا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے اہم ذمہ داری لوگوں کو توحید کا درس دینا تھا جیسا کہ قرآنِ مجید میں ارشادِ خداوندی ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۳۶

(سورۂ نحل، آیت ۳۶)

”اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا۔ (لوگوں کو یہ پیغام دیں) بس خدا کی عبادت کرو اور طاغوت سے کنارہ کشی کرو۔“

اس بناء پر تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور خاص کر اشرفِ انبیاء و مرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنیادی ذمہ داری لوگوں کو خدا کی معرفت عطا کرنا ہے اور تمام غیر خدا کی طاقتوں سے دور کرنا ہے۔ توحید کا درس دینے کے لئے خود توحید کی معرفت ضروری ہے چونکہ درسِ توحید ان لوگوں کو بھی دیا جائیگا جو توحید سے بالکل نا آشنا ہیں اور ان لوگوں کو بھی دیا جائے گا جو ایمان و معرفت کے بلند درجات پر فائز ہیں کیوں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے بھی تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ شاید اسی لئے خدا نے فرمایا:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

(سورۂ نساء، ۱۱۳)

”خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعلیم دی۔“

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور ذمہ داری لوگوں کے نفس کو پاک و پاکیزہ کرنا تھا جیسا سورۂ مبارکۂ جمعہ میں ارشادِ

خداوندی ہے:۔

وَيُزَكِّيهِمْ

جس کی ذمہ داری لوگوں کے نفس کو پاک بنانا ہو خود اس کو پاکیزگی کی بلند ترین منزل پر فائز ہونا چاہیے۔خدا نے عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح بیان فرمایا:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ خُلقِ عظیم سے بھی بلند تر ہے۔''

ایک اور ذمہ داری: آیاتِ الٰہی کی تلاوت ہے۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ

''وہ ان کے سامنے قرآن کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں۔''

یہاں صرف آیات کی تلاوت نہیں ہے بلکہ اس کے مفاہیم و مطالب کو اس طرح بیان کرنا ہے کہ بات دل کی گہرائیوں میں بھی اُتر جائے اور اس طرح گھر کر جائے کہ نفس و شیطان کا غلام خدا کا خالص بندہ ہو جائے۔قرآن کریم صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر نہیں تھا بلکہ اس کا مرکز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب بھی تھا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾

(سورۂ شعراء/آیت ۱۹۳)

''روح الامین آپؐ کے قلبِ مطہر پر قرآن لے کر نازل ہوئے۔''

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا

(سورۂ بنی اسرائیل/آیت ۱۰۵)

''ہم نے یہ قرآن حق کے ساتھ نازل کیا اور یہ حق کے ساتھ نازل ہوا یہ اوّل سے آخر تک حق ہے اس میں ذرّہ برابر باطل کا گذر نہیں ہے۔''

قرآن مجید نے تمام جملہ علوم کے بارے میں اس طرح ارشاد فرمایا:

وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

(سورۂ نحل/آیت ۴۴)

''اور ہم نے آپؐ پر ذکر نازل کیا تاکہ جو کچھ ہم نے نازل کیا ہے آپؐ لوگوں کے لئے اس کی باقاعدہ وضاحت کرسکیں۔''

اس کے علاوہ اور بھی ذمہ داریاں ہیں اگر ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری یا سب سے اہم ذمہ داری سرحدوں کی حفاظت اور ملک کی انتظامیہ قرار دیں تو مکہ کی تیرہ/۱۳ سال کی زندگی میں رسالت کا کام کیا تھا؟

صرف انھیں چند باتوں کی روشنی میں ہر صاحبِ عقل وفہم کے لئے یہ بات بالکل واضح ہے اگر تعصب اور آباء واجداد کی اندھی تقلید نے دل کی بصارت وبصیرت نہ چھین لی ہو یا کچھ لوگوں کی محبت عقل کے فیصلہ کی راہ میں رُکاوٹ نہ ہو تو یہ باتیں سامنے آتی ہیں۔رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض بنیادی ذمہ داریاں اس طرح ہیں:

(۱) لوگوں کو توحید کی تعلیم دینا،خدا کی معرفت عطا کرنا۔

(۲) نفس کو پاک و پاکیزہ کرنا۔

(۳) قرآنی آیات کی تلاوت۔

(۴) آیاتِ قرآنی کی وضاحت۔

اور جب اسلامی معاشرہ وجود میں آ جائے تو سرحدوں کی حفاظت اور ملک کے تشکیل کے بعد انتظامیہ کا سوال ہے۔

اس کے علاوہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت صرف ایک خاص جگہ اور علاقہ سے مخصوص نہیں تھی بلکہ یہ تو ساری دنیا کے لئے تھی۔ لہٰذا ساری دنیا تک توحید کا پیغام پہنچانا، خدا کی معرفت عطا کرنا، تمام لوگوں کے نفسوں کو پاک کرنا، ہر ایک تک قرآن کا پیغام پہنچانا اور ہر ایک کو قرآنی آیات سے آشنا کرنا۔

اب آپ اپنے آپ سے خود سوال کریں حضرت رسولِ خدا کے جانشین میں کن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔ وہ:

(۱) با قاعدہ معرفتِ خدا رکھتا ہو اور معرفتِ خدا کے بلند درجہ پر فائز ہو۔

(۲) بلند ترین اخلاق کا مالک ہو۔

(۳) قرآن کی تمام آیات سے واقف ہو۔

(۴) تمام قرآنی علوم سے آشنا ہو۔

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وہ کون ہیں جن میں یہ تمام خصوصیات موجود ہوں۔ وہ کون ہے جس نے یہ فرمایا ہو:

''اگر آسمان کے پردے ہٹا کے بھی رکھے جائیں تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہوگا۔''

وہ کون ہے جس کی طہارت کے سلسلے میں آیتِ تطہیر نازل ہوئی ہو۔

وہ کون ہے جس کے بارے میں حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہو

''علی مع القرآن والقرآن مع علی''

وہ کون ہے جس کے علم کے بارے میں فرمایا ہو:

''انا مدینۃ العلم و علی بابھا۔''

وہ کون ہے جس کے بارے میں لوگوں نے کہا: ''اگر علی علیہ السلام نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو گیا ہوتا۔

اب آخر میں ایک بات اور بتا دیں۔ وہ کون ہے جو یہ بتا سکے کس شخص میں یہ تمام صفات اور خصوصیات پائی جاتی ہیں کیوں کہ ان تمام باتوں کا تعلق باطن سے ہے۔

معرفتِ خداوندی، پاکیزگیٔ نفس، بلند اخلاقی، علم القرآن...... وہ کون بتا سکتا ہے۔ اس شخص کا نفس واقعاً پاک و پاکیزہ ہے اس کا وجود معرفتِ خدا سے مالا مال ہے۔ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصیات کی گواہی لوگوں نے نہیں دی بلکہ خدا نے فرمایا:

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ

تو اب حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین بس وہی بن سکتا ہے جس کی خصوصیات کی گواہی یا خدا دے یا اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

چونکہ دنیا کا کوئی ایک شخص بلکہ ساری دنیا مل کر بھی کسی ایک شخص کے اخلاق و کردار و معرفتِ خداوندی کی ضمانت نہیں لے سکتی ہے۔ اس بناء پر ساری دنیا مل کر کسی ایسے شخص کا انتخاب نہیں کر سکتی جو واقعاً حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بتمام معنیٰ کما حقہٗ جانشین ہو۔ یہ بات گذر چکی ہے جو رسول مقرر کرتا ہے بس اسی کو رسول کا جانشین مقرر کرنے کا حق ہے اور بس اسی کا مقرر کردہ قانونی طور پر جانشینِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوگا۔ اور یہ حق صرف اور صرف خدا کو حاصل ہے۔ اس بناء پر امّت کے منتخب کردہ کا انکار امت کی مخالفت نہیں

.... باقی صفحہ نمبر ۲۶ / پر

کتاب ’’شوارق النصوص فی تکذیب فضائل...‘‘ کا تعارف

اسلامی تعلیمات واعتقادات میں قرآنِ کریم کے بعد جو حیثیت احادیثِ معصومین علیہم السلام کی ہے اس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا اور چونکہ حدیث، معصوم کے عمل ـ قول، اور تقریر سے، عبارت ہے، اس لئے انسان کی اجتماعی و انفرادی زندگی میں احادیث کا انتہائی اہم کردار ہوتا ہے۔ اسی لئے دینی اعتقادات ومعارفِ اسلامی کی تبلیغ ونشر میں احادیث کو نقل کرنا انتہائی حسّاس مسئلہ مانا جاتا ہے کہ جسے دین کا حصہ سمجھ کر احادیث کی نشرواشاعت کررہے ہیں ہوسکتا ہے اس کے لئے حدیث کا حصہ یا حدیث ہونا ہی ثابت نہ ہو۔ اس طرح ہم غیر اسلامی تعلیمات ومعارف کی نشرواشاعت کر رہے ہوتے ہیں جس کا بہت بڑا نقصان امتِ مسلمہ کو اٹھانا پڑتا ہے۔ کیوں کہ اس بات سے تو کوئی مسلمان انکار کر ہی نہیں سکتا کہ وفاتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کئی سالوں تک نقلِ احادیث پر پابندی رہی، خلیفۂ اوّل ودوّم ہی کے زمانے میں جعل حدیث کی بنیاد، داستان سرائی وافسانہ نگاری کی شکل میں ڈالی جا چکی تھی، اور دورِ معاویہ بن ابی سفیان میں تو یہ کارخانہ اپنے عروج پر تھا۔ جہاں اپنی حکومت کو شرعی جواز فراہم کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے ملتی جلتی حدیثیں گڑھیں گئیں اور اپنے مخصوص نظریہ کی حمایت میں اور اپنی جماعت وگروہ کو اونچا دکھانے کے لئے کیا کیا مظالم نہیں ڈھائے گئے۔ اہلِ بیت علیہم السلام کی شان میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کردہ تمام فضائل ومناقب کی احادیث اہلِ بیت علیہم السلام کے مقابلہ میں کھڑے ہونے والوں کے لئے وضع کردی گئیں، خصوصاً امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے مناقب جو زبانِ مبارک رسالت سے بیان ہوئے وہ سب خلفائے زمان اور اپنے معروف اماموں کے لئے قرار دے گئے۔ مگر راہِ حق وباطل سے آشنائی رکھنے والے اور صحیح وغلط احادیث میں پہچان رکھنے والے، علماء ودانشمندوں نے قرآن وسیرتِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معیار بنا کر علمِ حدیث، رجال، ودرایۃ، تاریخ کی بنیاد پر تمام روایتوں، ان کے طرق، اور اسناد پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے خود راویوں کی وثاقت وعدم وثاقت، اعتبار وعدم اعتبار کی تحقیق کرتے ہوئے نوُر کو ظلمت سے، روشنی کو اندھیرے سے، ہدایت کو ضلالت سے، دوست کو دشمن سے، حق کو باطل سے، الگ کرکے آشکار کردیا اور بتادیا کہ باب مدینۃ العلم سے وابستہ لوگوں کو جھوٹے پروپیگنڈہ کے ذریعہ اندھیرے میں نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ بزرگ علماء نے اس میدان میں بڑی زحمتیں اٹھا کر یہ کام آسان بنا دیا ہے۔ آج ہمیں نہ کوئی دھوکہ دے سکتا ہے اور نہ ہی اہلِ بیت علیہم السلام سے متعلق فضائل ومناقب میں کوئی شبہ دل میں ڈال سکتا ہے۔ اس لئے کہ ہم خدا کے دوست ودشمن دونوں کو اچھی طرح

پہچانتے ہیں، دونوں کے کردار و زندگی سے واقف ہیں، دنیا خواہ کتنے ہی جھوٹے گیت گائے، فضیلتیں منصب دار ہونے سے حاصل نہیں ہوتیں، فضیلتوں اور کمالات سے منصب ملتا ہے۔ جب ذاتی کوئی کمال اور فضیلت ہی نہیں ہے تو اللہ کی طرف سے کوئی الٰہی منصب کیسے مل جائے گا۔ خواہ کتنے ہی جھوٹے فضائل ومناقب وضع کر دیئے جائیں، رسول و نبی علیہاالسلام جیسا درجہ ہی نہیں خدا بھی بنا دیا جائے تو بھی اس سے کچھ بننے والا نہیں ہے۔ جیسا کہ صدرِ اوّل کے مسلمانوں نے خلفاء کے لئے بڑے بڑے فضائل ومناقب کی حدیثیں وضع کیں، تحریفیں کیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر الزام وافتراء باندھا تا کہ باطل کو حق کی طرح سے بنا کر پیش کیا جائے۔ مگر خود اہلسنّت کے بزرگ علماء نے اس کی حقیقت واضح کر دی ہے جیسا کہ ابن الجوزی، سیوطی، اور ابن العراق نے کیا ہے۔ مگر یہ لوگ بھی اپنے کو تعصب اور شیعی عناد سے آزاد نہ کرا سکے۔

کتاب شوارق النصوص

ہاں اگر اس میدان میں پوری دیانت اور نہایت دقّتِ نظر اور علمی استدلال کے ذریعہ پردۂ باطل کو چاک کیا ہے تو وہ میدانِ تحقیق وتالیف کے تنہا شہسوار علمِ مناظرہ میں یگانۂ روزگار، مجدد الملۃ، محی الدین، حجۃ الحق علی الخلق، عالم جلیل القدر، لسان الفقہاء والمجتہدین، ترجمان حکماء والمتکلمین، آیۃ اللہ فی العالمین السید حامد حسین الموسوی لکھنوی نے ''شوارق النصوص ...'' جیسی معرکۃ الآراء کتاب تصنیف کر کے حق پرستوں پر تا قیامت احسان فرمایا ہے جو گرانقدر محقق جناب طاہر السّلامی کی تحقیقی کاوشوں سے دو/۲ جلدوں پر مشتمل ۹۰۴/صفحات کے ساتھ زیورِ طبع سے آراستہ ''منشورات دلیل ما۔ مطبعۂ نگارش قم'' کے توسط سے پہلی بار ۱۴۲۳ھ میں منظرِ عام پر آئی ہے۔ شوارق: جمع شارق، از مادۂ شرق یعنی روشن وآشکار، نصوص: جمع نص، یعنی دلیلیں۔

اس کتاب کی عظمت وبلندی کے لئے خود صاحبِ کتاب کا یہ جملہ سند ہے کہ جس سے عظمتِ کتاب کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ علامہ میر حامد حسین موسوی ہندی جیسی شخصیت کسی کے لئے اپنا نظریہ پیش کرے تو اس سے اس کا وزن سمجھ میں آتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''فرأیتُ انّ اصنّف رسالۃ لم یسبقنی احدًا الیٰ تصنیفھا...''

(......جب جھوٹ اور بہتان والزام کی انتہا ہوگئی ......تب میں نے فیصلہ کیا کہ اس میدان میں ایسی نایاب کتاب تصنیف کروں کہ اس سے پہلے کسی نے تصنیف نہ کیا ہو......

کتاب شوارق النصوص......'' کے مقدمہ میں علامہ میر حامد حسین موسوی ہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا پورا نام ''شوارق النصوص فی تکذیب......'' رکھا ہے۔ صاحبِ کتاب نے اسے چھ/۶ باب اور ایک خاتمہ پر ترتیب فرمایا ہے۔

(۱) بابِ اوّل میں خلیفۂ اوّل کے جعلی فضائل کا ذکر کر کے اس پر بحث کی ہے۔

(۲) بابِ دوّم میں خلیفۂ دوّم سے متعلق جعلی فضائل کا تذکرہ کیا ہے اور سیر حاصل بحث کی ہے۔

(۳) بابِ سوم میں دونوں خلفاء (شیخین) کے لئے مشترکہ جعلی مناقب اور گڑھے ہوئے فضائل کو نقل کیا ہے اور ایک ایک کا عمدہ اور مسکِت جواب دیا ہے......اور اِنھیں بحثوں پر کتاب ختم ہو جاتی ہے۔

محقق کتاب لکھتے ہیں: دیگر ابواب کے بارے میں مجھے کوئی سراغ نہیں ملا۔ یقیناً مؤلف گرانقدر کا اصل خطی نسخہ کتابخانۂ ناصریہ لکھنؤ سے ناپید ہو گیا ہے ورنہ اس کی تفصیل ضرور ہوتی۔ جس نسخۂ بدل پر اعتماد کر کے تحقیق کی ہے وہ آیۃ اللہ السید المرعشی النجفی قدس سرہ کے کتابخانہ میں موجود ہے۔ ہاں ہندوستان میں ایرانی کلچر ہاؤس کی جانب سے جو کاغذات ملے ہیں جن میں صاحب کتاب کے خاندان، تاریخ تالیف کے ساتھ مؤلّف کے بعض خطی نسخوں کی فہرست درج تھی اس میں مَیں نے کتاب ''شوارق النصوص'' نام پایا۔ اس کی فہرست سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے مندرجہ ذیل کتاب کے ابواب قائم کئے تھے:

۱۔ باب، ابوبکر کے جعلی فضائل

۲۔ باب، عمر کے جعلی فضائل

۳۔ باب، عثمان کے جعلی فضائل

۴۔ باب، شیخین کے (مشترکہ) جعلی فضائل

۵۔ باب، تینوں خلفاء کے جعلی فضائل

۶۔ باب، معاویہ/عائشہ/اور دیگر اصحاب کے جعلی فضائل

۷۔ باب، روافض وغیرہ کی مذمّت میں جعلی روایتیں

کتاب کی تصنیف میں مصنف کی رَوِش:

یہ بات اپنی جگہ طے ہے کہ صاحبِ کتابَ علم مناظرہ میں جواب نہیں رکھتے تھے اور اسی لئے ہمیشہ اس حقیقت پر نگاہ رکھتے ہوئے بحث کرتے:

۱) مخالف کی عبارتوں کو من وعن نقل کر کے میدانِ بحث و گفتگو میں پیش کرتے، پھر فوراً اس میں اشکال کی نشاندہی فرماتے تا کہ گفتگو کے لئے موضوع کا دائرہ مشخّص اور واضح ہو سکے۔

۲) مخالف کی روایتوں کے ذریعہ استدلال کرنا۔

۳) حق بات پیش کرنا، مقامِ استدلال اور وقتِ مناظرہ حقیقت کا اعتراف کرنا۔

اس کے علاوہ صاحبِ کتاب نے جو ''شوارق النصوص'' میں رَوِش اختیار کی ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

۱) اُنھیں روایتوں کے ذریعہ استدلال پیش کیا ہے جنھیں خود اہلِسنّت نے روایت کیا ہے اور خود ان کے اصل مصادر و مسانید سے مطلب کو نقل کیا ہے۔ کسی شیعہ کتاب میں سنّی کتاب سے نقل شدہ مطالب پر بھروسہ نہیں کیا ہے۔

۲) روایتوں کی سندی بحث میں جب راویوں کی توثیق و تضعیف کی بات آتی ہے تو اسے بھی اُنھیں کے علماء رجال اور جرح وتعدیل میں نصوص اور تراجم کے اصل کتاب پر اعتماد کر کے مطالب نقل کئے ہیں۔

۳) اہلسنّت کے کسی بزرگ عالم سے کوئی حدیث پیش فرماتے ہیں تو اس کے تمام ناقلین کے اقوال کو دقیق اور نہایت گہرائی سے تحقیق و جستجو کے بعد ہی اسے پیش کیا ہے۔

۴) راویوں کے حالات کو اس طرح پیش کیا ہے کہ ان پر ذرّہ برابر اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جس سے ان کی ساری حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

۵) اِن تمام امور کے بعد صاحبِ کتاب اس منزل پر اعتراضات کے پہلوؤں کو آشکار فرماتے ہیں اور پھر ان کا علمی اور استدلالی انداز میں جواب دیتے ہیں۔

۶) پھر آخری مرحلہ میں اپنے جواب کی تائید میں علمائے اہلسنّت کے اُن اقوال کو شاہد کے طور سے پیش کرتے ہیں جن میں وہ علماء ایک دوسرے کو باطل قرار دیتے ہیں تاکہ دلیل مکمل ہو جائے اور حجت تمام ہو جائے اس لئے کہ ان کے علماء خود ان کے لئے حجّت و دلیل ہیں اور مرجع و پناہ گاہ ہیں۔

یہ کتاب:

جیسا کہ گذشتہ سطر میں یہ بتا چکے ہیں کہ یہ کتاب ''شوارق النصوص فی تکذیب فضائل...'' جدید تحقیق کے ساتھ دو جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ کتاب میں تین ابواب ہیں اور ہر باب چند فصلوں پر مشتمل ہے۔

پہلی جلد

باب اوّل:

باب اول: خلیفۂ اول کی جعلی تعریفوں پر مشتمل ہے، اس میں چھتیس/۳۶ فصلیں ہیں اور ہر فصل میں جداگانہ جعلی فضائل کو نقل کیا ہے، اس طرح مجموعی طور سے چھتیس ۳۶/جعلی فضائل کا ذکر کر کے ہر ایک کا بہترین اور مسکت جواب پیش کیا ہے۔

بطورِ نمونہ

فضائل ابوبکر کے ضمن میں ولی اللہ دہلوی ازالۃ الخفاء میں کہتے ہیں: (ایک واقعہ کے ضمن میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلیفۂ اوّل سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں رضوان اکبر عطا کرے گا لوگوں نے دریافت کیا: اس سے کیا مراد ہے؟

فرمایا: (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ عام طور سے اپنے بندوں کے لئے اور خاص طور سے ابوبکر کے لئے (تجلی) ظہور کرے گا۔

(ازالۃ الخفاء للدھلوی: ۳، ۴۹۴)

مصنف نے اس حدیث کو اس کے تمام ماخذ سے نقل کیا ہے جیسے انس، جابر، ابوہریرہ، اور عائشہ، اور اگر ایک ہی راوی سے کئی طریقوں سے نقل ہوئی ہے تو اس کے ہر طریقہ کو نقل کیا ہے جیسے: انس سے تین طریقوں سے نقل ہوئی ہے۔ جابر سے چار طریقوں سے نقل ہوئی ہے۔ ابوہریرہ سے ایک طریقہ سے، اور عائشہ سے ایک طریقہ سے۔

صاحبِ کتاب کے اسی ایک حدیث کورَد کرنے سے ان کے علمی تبحر اور مطالعہ کی گہرائی اور وسعتِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ کہ تمام راویوں کے ہر ایک طریقہ کو نقل کر کے اس کا سندی و علمی جواب پیش کیا ہے۔

فرماتے ہیں: اس حدیث کے بارے میں اہلسنّت کے نقّاد محدث ابن الجوزی انتہائی قابلِ اعتماد، ثقہ، جن کے فضل و جلالت میں کوئی شک نہیں کرسکتا ہے، نہایت اطمینان اور یقین کے ساتھ اس حدیث کے جعلی ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔

کہتے ہیں: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، یہ حدیث متن اور سند دونوں اعتبار سے جھوٹی ہے۔

اس کے بعد صاحبِ کتاب ''شوارق النصوص'' نے ایک ایک راوی اور طرق کو مخالف کے علماء علم رجال اور ان کے تراجم کے توسط سے باطل قرار دیتے ہیں۔ جہاں علماء اہل سنت نے ان تمام راویوں کو غیر معتبر، کاذب، اور حدیث گڑھنے والا قرار دیا ہے۔ مصنف نے اس حدیث کے تمام پہلوؤں پر تقریباً تیس ۳۰ رصفحات پر اسی ایک حدیث کے بارے میں بحث کی ہے جس سے کہ مخالف میں تابِ سخن نہیں رہ جاتی۔

پہلی جلد انھیں چھتیس ۳۶ رفصلوں میں تمام ہوجاتی ہے۔

دوسری جلد

اس میں دو باب ہیں ر باب دوم، باب سوم۔

بابِ دوم: اس باب کو خلیفۂ دوم کے بارے میں قائم کیا ہے اس میں تیئیس ۲۳ رجعلی فضائل ہیں اور ہر جعلی فضیلت کو جداگانہ فصل میں قرار دیا ہے اس طرح بابِ دوّم میں ۲۳ رفصلیں ہوتی ہیں۔

بابِ سوّم: صاحبِ کتاب نے اس میں شیخین کے بارے میں مشترکہ جھوٹے فضائل کو نقل کیا ہے۔ اس میں تیرہ ۱۳ رجھوٹے فضائل ہیں جو ۱۳ رفصلوں میں بیان ہوئے ہیں۔ اور اسی پر کتاب ختم ہوجاتی ہے۔

آخر میں یہ واضح کرتا چلوں کہ کتاب میں باب کی شکل میں صاحبِ کتاب نے مطالب ترتیب دیئے ہیں، فصلوں کا عنوان محقق کتاب نے قرار دیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں ہر انصاف پسند اور تلاشِ حق کی آرزو رکھنے والوں کو چاہیے کہ اس عظیم الشان کتاب کا مطالعہ کریں، غور کریں، صراطِ مستقیم کی طرف جانے سے روکنے والے اسباب پر فکر کریں، اس لئے کہ اس کے بعد اب کوئی عذر باقی نہیں رہ جاتا، کسی طرح کی تاویل نہیں رہ جاتی۔ حجّت تمام ہو جاتی ہے اور دلیل مکمل ہوجاتی ہے اللہ تعالیٰ صاحبِ کتاب نیز محققِ کتاب کے لئے ان کی اس عظیم الشان خدمت کو روزِ محشر ذریعہ شفاعت قرار فرمائے۔

عیدِ غدیر کے موقعہ پر مذہبِ اہلبیت علیہم السلام کی ترویج اور ان کے شیعوں کے عقائد کو تازہ کرنے اور جلا دینے کی سعادت پر خداوندِ عالم کا شکر گذار ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں اللہ ہم سب کو ولایت و محبت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی تبلیغ و ترویج کرنے والوں میں شمار فرمائے اور وارثِ کعبہ امامِ زمانہ علیہ السلام کے ظہور میں تعجیل فرمائے۔ آمین۔

آیۂ تطہیر اور علمائے اہلسنّت کے اختلافی نظریات

دین اسلام کی کلی مکۂ معظمہ میں کھلی اور پھر تئیس / ۲۳ سال کی طاقت فرسا زحمتوں کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے باوفا اصحاب نے جزیرۃ العرب کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔

خدا کا یہ مشن ۱۸ ذی الحجۃ کو غدیر خُم کے مقام تک پہونچا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالم اسلام کے اوّلین جوانمرد یعنی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے سپرد کردیا گیا۔

اِس دن، علی علیہ السلام کی ولایت وجانشینی کے اعلان کے ساتھ نعمتِ الٰہی تمام، اور دین اسلام مکمل ہوگیا اور پھر اسلام تنہا پسندیدہ دین کے عنوان سے اعلان کردیا گیا۔ یہ سبب بنا کہ کافرین ومشرکین اسلام کی نابودی سے مایوس ہوگئے۔

ابھی دیر نہ ہوئی تھی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اطرافیان نے پہلے سے رَچی ہوئی سازش کے تحت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ہدایت ورہبری کی راہوں کو منحرف کردیا، شہرِ علم کے دروازہ کو بند کردیا اور مسلمانوں کو حیرانی و سرگردانی میں ڈال دیا۔ اُن لوگوں نے اپنی حکومت کے انھیں ابتدائی ایام سے، احادیث نبوی کی کتابت کو ممنوع کرکے، جعلِ حدیث کے ذریعہ، شبہات کو لوگوں میں ڈالا اور شیطانی فریب کاریوں اور نیرنگیوں کے ذریعہ، حقائق اسلام کو (جو کہ چمکتے ہوئے سورج کی مانند تھا) شک وتردید کے سیاہ بادلوں کی پُشت پر ڈال دیا۔

یہ بات واضح ہے کہ اِن تمام سازشوں کے باوجود، حقائقِ اسلام اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دُررِ بار اقوال، امیر المومنین علیہ السلام اور اُن کے اوصیاء علیہم السلام اور کچھ اصحاب باوفا کے ذریعہ ہر زمانہ میں، جلوہ نُما ہوتے رہے، اُن لوگوں نے حقیقت بیانی کے ذریعہ، شک وشبہات شیطانی وسوسوں اور دشمنانِ اسلام کا منھ توڑ جواب دیا اور حقیقت کو سب پر آشکار کردیا۔

اس راہ میں شیخ مفید، سید مرتضیٰ، شیخ طوسی، خواجہ نصیر الدین طوسی، علامہ حلّی، قاضی نور اللہ شوستری، میر حامد حسین، سید شرف الدین، علامہ امینی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ روشن ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ کیوں کہ اِن لوگوں نے میدانِ دفاع میں حقائقِ اسلامی کو اور مکتبِ اہل بیت علیہم السلام کی واقعیت کو بیان کرنے میں زبان وقلم کے ذریعہ شک وشبہات کے جواب دیئے ہیں۔ اور ہمارے زمانے میں بھی علماء اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اس مضمون کی تحریر کے لئے ایسے ہی ایک نامور محقق حضرت آیت اللہ سید علی حسینی میلانی حفظہ اللہ کی تحقیق ''نگاہی بہ آیۂ تطہیر پژوھشی در تفسیر وشان نزول آیۂ تطہیر'' کے چوتھے حصے ''معانی آیۂ تطہیر وتناقض گویی علماء اہل سنت'' سے استفادہ کیا گیا ہے۔

امید ہے کہ یہ سعی و کوشش بقیۃ اللہ الاعظم، حضرت ولیِٔ عصر، امامِ زمانؑ کی خوشنودی اور پسند کا سبب قرار پائے۔

آیۂ تطہیر

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا[1]

بس خدا چاہتا ہے کہ آلودگی کو تم سے (اے) اہل بیتؑ دور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے۔

یہ آیت قرآن مجید میں اُن آیات کے درمیان میں آئی ہے جہاں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواج کا ذکر ہے۔

البتہ اس مضمون میں ہم اس کے شانِ نزول پر بحث نہیں کریں گے بلکہ اس کے معنی اور علمائے اہل سنّت کے اختلافی نظریات پر روشنی ڈالیں گے۔

آیۂ تطہیر کے معنی اور علماءِ اہلسنّت کے تین گروہ

علماءِ اہل سنّت کا ایک گروہ، آیۂ مبارکہ تطہیر کے معنی و مفہوم اور اس بارے میں نقل ہونے والی احادیث کے ادراک کے باوجود، حقیقت کا اعتراف نہیں کرتے، کیونکہ ان معنی کے اعتراف کے بعد ایک طرف، یہ آیت اُن کے عقائد کو اصول و فروع میں جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔

دوسری طرف، ان لوگوں نے خود کو ’’سنّتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم‘‘ سے نسبت دے رکھا ہے اور دعویٰ کرتے ہیں اُن کی سنت پر عمل کرنے اور اُن کی پیروی کا......اس بناء پر یہ لوگ اس آیت کے سلسلہ میں اضطراب و تشویش کا شکار ہو گئے ہیں اور اسی لئے اِن نظریات میں آپس میں تضاد پایا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

پہلا گروہ

یہ گروہ شیعہ امامیہ سے اتفاقِ نظر رکھتا ہے۔ حقیقت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ثابت شدہ سنّت کی پیروی کی ہے اور خصوصیت کے ساتھ اس پر عمل پیرا بھی رہا۔

دوسرا گروہ

عکرمہ خارجی اور مقاتل کے نظریہ سے اتفاق کیا ہے۔ مقاتل وہی شخص ہے کہ ذھبی نے جس کے بارے میں کہا کہ سب لوگ اُس سے روگردانی کرنے میں اتفاقِ نظر رکھتے ہیں۔

تیسرا گروہ

اس گروہ نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور بزرگ صحابہ کے نظریہ کے برخلاف ضحّاک کے نظریہ پر عمل کیا ہے۔ ضحّاک وہی شخص ہے کہ اہل سنّت کے علماءِ رجال نے اعتراف کیا ہے کہ نقلِ روایت میں وہ ضعیف ہے۔

پہلے گرہ کا ایک نمونہ

ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ مصری حنفی طحاوی متوفای

---

[1] سورۂ احزاب، آیت ۳۳

۱۲۱ھ اس سلسلہ میں ایک کتاب ''مشکل الآثار'' میں ایک باب کا عنوان اس طرح دیا ہے:

''آیۂ مبارکہ: اِنَّمَا یُرِیۡدُ...... میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ معین کردہ افراد کے بارے میں روایتیں''۔

پھر اسی عنوان کے تحت درج ذیل حدیث کو نقل کیا ہے:

ربیع مرادی اسد بن موسیٰ سے، حاتم بن اسماعیل سے، بکیر بن مسمار سے، عامر بن سعد سے، اپنے والد سے اسی طرح نقل کیا ہے کہ سعد کہتے ہیں:

جب آیۂ تطہیر نازل ہوئی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام کو بلایا اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھۡلُ بَیۡتِیۡ

بارالٰہا! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

طحاوی اس حدیث کے ذیل میں کہتے ہیں: ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں جو لوگ مراد ہیں وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی، فاطمہ، حسن حسین علیہم السلام ہیں۔

طحاوی مزید رقمطراز ہیں فھد سے، عثمان بن ابی شیبہ سے، جریر بن عبدالحمید سے، اعمش سے، جعفر سے، عبدالرحمن بجلی سے، حکیم بن سعید سے نقل کرتے ہیں کہ اُمّ سلمہؓ نے کہا: آیت اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللہ...... رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی، فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اور اُم سلمہ رحمۃ اللہ علیہا کے کلام کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث سے بھی وہی مطلب نکلتا ہے جو پہلی حدیث سے نکلتا ہے۔

طحاوی اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے، اس واقعہ کو مختلف اسناد سے اُمّ سلمہ رحمۃ اللہ علیہا کے ذریعہ نقل کرتے ہیں کہ جس میں اس آیت کے اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص ہونے کی واضح نشانیاں موجود ہیں، جیسے وہ حدیث کہ جس میں اُمّ سلمہ رحمۃ اللہ علیہا پوچھتی ہیں: ''آیا میں بھی اُن کے ساتھ ہوں؟''

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

تم پیغمبر کی بیویوں میں سے ہو اور اچھائی پر ہو۔

یا یہ فرمایا: تم خیر پر ہو۔

دوسری حدیث میں ام سلمہ کہتی ہیں: میں نے کہا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا میں اہل بیت علیہم السلام سے ہوں؟ فرمایا:

اِنَّ لَكِ عِنۡدَ اللہِ خَیۡرًا

آپ کے لئے خدا کے یہاں خیر ہے

ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں چاہتی تھی کہ پیغمبر جواب میں فرمائیں: ہاں: کیوں کہ اس طرح کا جواب میرے لئے دنیا کے مشرق و مغرب کے پسند کرنے سے زیادہ پسندیدہ تھا۔

اسی طرح دوسری حدیث میں ام سلمہ کہتی ہیں: میں نے چادر کو اٹھایا تاکہ ان سے ملحق ہو جاؤں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کھینچ لیا اور فرمایا: اِنَّكِ عَلٰی خَیۡرٍ تم خیر پر ہو۔

طحاوی مزید لکھتے ہیں:

جن روایتوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امّ سلمہ کو اپنا مخاطب قرار دیا ہے وہ دلالت کرتی ہیں کہ امّ سلمہ ان لوگوں

میں سے نہ تھیں جو اس آیت کے مصداق ہیں اور جو مصداق ہیں اس آیت میں وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی، فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام ہیں، دوسرے افراد نہیں۔

طحاوی نے اس باب میں حدیثوں کے درمیان میں ایک حدیث امّ سلمہ سے نقل کی ہے کہ جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امّ سلمہ رحمۃ اللہ علیہا سے فرمایا: اَنْتِ مِنْ اَهْلِي تم مجھ سے ہو۔

طحاوی ان حدیثوں کو جو کمال صراحت کے ساتھ اہل بیتؑ کو خمسہ طیبہ سے مختص کرتی ہیں اس روایت میں جو تعارض و ٹکراؤ پایا جاتا ہے اس کے دور کرنے کے لئے لکھتے ہیں:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مقصد کو "تم مجھ سے ہو" ایک دوسری حدیث بھی واضح کرتی ہے کہ جس میں محمد بن حجاج حضرمی و سلیمان کیسانی نے نقل کیا ہے: بشر بن بکر نے اوزاعی سے، ابوعمار سے، واثلہ سے نقل کیا ہے کہ واثلہ نے کہا: میں نے عرض کیا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا میں آپ کے اہل سے ہوں؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم مجھ سے ہو؛

واثلہ کہتا ہے: یہ میری بزرگترین آرزووں میں سے ہے۔

جب کہ واثلہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ام سلمہ رحمۃ اللہ علیہا کی بہ نسبت بہت دور تھا، کیونکہ وہ قبیلہ بنی بسث سے تھا، نہ کہ قریش سے۔ اور امّ سلمہ رحمۃ اللہ علیہا کی قریش میں پیغمبر کی بیوی ہونے کی وجہ سے ایک خاص منزلت تھی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واثلہ سے کہنا: "تو مجھ سے ہے" اس معنی میں ہے کہ اطاعت و پیروی کی وجہ سے تو مجھ سے یعنی اپنے ایمان کی وجہ سے میرے گروہ میں ہو خداوند متعال نے قرآن میں ایک آیت نازل کی ہے کہ جو اسی معنی پر دلالت کرتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ [1]

نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا: میرا بیٹا مجھ سے ہے۔

خدائے سبحان نے فرمایا:

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ [2]

وہ تم سے نہیں ہے۔

یعنی جو نبیؑ کے دین سے موافقت رکھتا ہے وہ ان سے ہے؛ خواہ وہ نسبی رشتہ دار نہ ہو۔

اور بہت احتمال ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا ہو۔

طحاوی مزید رقمطراز ہیں: حدیث سعد اور اس کے ہمراہ حدیثیں جو ابتداء میں نقل ہوئیں، واضح کرتی ہیں کہ کون لوگ آیت کے اہل ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب آیت کے نزول کے وقت اپنے اہل کو بلایا، سوائے خمسہ طیبہ کے کسی اور کو اس آیت کا اہل قرار نہ دیا، اس بنا پر محال ہے کہ سوائے خمسہ طیبہ کے کوئی اور مراد ہو۔

اعتراض

قرآن خود دلالت کرتا ہے کہ اس آیت کے مصداق

---

[1] سورۂ ہود، آیت ۴۵

[2] سورۂ ہود، آیت ۴۶

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج ہیں۔ کیونکہ اسی آیت کے پہلے، خداوندمتعال نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ.........[1]

یہ خطاب خودواضح کرتا ہے کہ آیۂ تطہیر سے مرادازواج پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں؛ چونکہ موردخطاب عورتیں ہیں۔ مردنہیں اور اسی کے فوراًبعد ہی خدا کہتا ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

جواب

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ کی عبارت سے پہلے تک اس آیت میں مخاطب ازواج پیغمبر ہیں۔ پھراس آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ میں موردِخطاب اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کیونکہ اس میں، جملہ مردوں سے خطاب کی صورت میں آیا ہے، کیونکہ یہ خطاب ضمیر ''کم'' کے ذریعہ ہے اوراس طرح کا خطاب مردوں کے لئے آتا ہے ملاحظہ ہو:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

لیکن اس سے پہلے کی آیت ضمیر ''ن'' کے ساتھ آئی ہے کہ اس طرح کا خطاب عورتوں سے مخصوص ہے۔

اس بناپر، ہمارے لئے واضح ہے کہ اس آیت (انما یرید اللہ) میں مخاطب وہ مرد ہیں جن کی شرافت اور برتری کا خدااعلان کررہا ہے۔[2]

پھرطحاوی لکھتے ہیں: ہماری باتوں کے صحیح ہونے کے لئے ایک روایت ہے جوانس سے نقل ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

---

[1] سورہ احزاب، آیت ۲۸

[2] (وہ آیتیں ملاحظہ ہوں جو آیۂ تطہیر سے پہلے آئی ہیں: يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ (احزاب/ ۳۲، ۳۳) آیت ۲۴ سے پہلے بھی آیتیں ملاحظہ ہو اور ۴۳ کے بعد بھی۔

یہ خیال غلط ہے کہ آیۂ تطہیر میں ازواج شامل ہیں اس لئے کہ اگرازواج مقصود ہوتیں تو جس طرح پہلے اور بعد کی آیت میں ضمیر جمع مؤنث حاضر ہے۔ آیہ تطہیر میں بھی ہونا چاہئے۔ ایک بات اور یہ کہ اگرازواج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت میں شامل ہوتیں تو ان کی تعداد نوتھی اور سبکو ملایا جائے تو جناب زہرا سلام اللہ علیہا کو شامل کر کے عورتوں کی تعداد دس ہو جاتی ہے اوراس طرح عورتوں کا غلبہ ہوگا مرد پر تو اس صورت میں بھی ضمیر وصیغہ مونث ہی لانا چاہیے تھا نہ کہ مذکر۔ ان چیزوں پر غور کرنے کے بعد ایک بات اور بھی سمجھ میں آتی ہے کہ آیۂ تطہیر کو ان آیتوں کے درمیان سے نکال لیا جائے تو اس میں کوئی نقص نظر نہیں آتا ربط اور بھی بڑھ جاتا ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت اس جگہ کی نہیں بلکہ کسی اور غرض سے یہاں داخل کردی گئی ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز صبح کے لئے گھر سے نکلتے تھے فرماتے:

اَلصَّلَاۃُ یَا اَھْلَ الْبَیْتِ! اِنَّمَا یُرِیْدُ اللہُ لِیُذْھِبَ......

اے میرے اہل بیت! وقت نماز ہے" خدا چاہتا ہے......"

اسی طرح ایک روایت ابوحمزہ سے نقل ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

نو مہینہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں تھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز صبح فاطمہ سلام اللہ علیہا کے دروازہ پر آتے اور فرماتے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْبَیْتِ. اِنَّمَا یُرِیْدُ اللہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ......

سلام ہو تم پر اے اہلبیت! خدا چاہتا ہے......

پیغمبر کا یہ عمل بھی دلیل ہے کہ یہ آیت خصوصیت کے ساتھ پنجتن پاک کے لئے نازل ہوئی ہے۔ ۱

دوسرے گروہ کا ایک نمونہ

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ دوسرا گروہ اھل سنت کا ہے جس نے عکرمہ اور مقاتل کے نظریہ کی تائید کی ہے، تو یہ جاننا ضروری ہے کہ عکرمہ اور مقاتل کا نظریہ کیا ہے اور یہ کون لوگ ہیں۔ ان دونوں کا نظریہ آیہ تطہیر کے سلسلے میں طحاوی اور امامیہ سے مختلف ہے۔

عکرمہ اور مقاتل کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد ازواج پیغمبر ہیں۔

آیا مقصود از اہل بیت ازواج پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں؟

عکرمہ یہ جانتے ہوئے کہ اس آیت کا نزول صرف عترت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں پھر بھی سب سے زیادہ مخالفت کی ہے۔

عکرمہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بازار میں چلاتا تھا: یہ آیت صرف ازواج پیغمبرؐ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ۲

وہ کہتا تھا: جو چاہے مجھ سے مباہلہ کرلے، کیونکہ حق میرے ساتھ ہے اور یہ آیت ازواج پیغمبرؐ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ۳

عکرمہ مسلمانوں کے مسلمہ عقیدہ کہ یہ آیت عترت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی ہے برخلاف کہتا ہے: جس کے تم (مسلمان) معتقد ہو، صحیح نہیں ہے، بلکہ

---

۱ مشکل الآثار ۱/ ۲ ۳۳-۳۳۹۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ "مشکل الآثار" کی نئی اشاعت میں ناشر نے تحریف سے کام لیا ہے اور بعض مقامات پر کلمہ "اھل بیت" کو "اھلی" لکھا ہے۔

۲ تفسیر طبری ۱۰/ ۲۹۸ حدیث ۲۸۵۰۳، تفسیر ابن کثیر ۳/ ۴۶۵، اسباب النزول ۱۹۸۔ تالیف امام واحدی نیشاپوری

۳ الدر المنثور ۶/ ۶۰۳ (سیوطی)، تفسیر ابن کثیر ۳/ ۴۶۵

مقصود صرف ازواجِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ [1]

عکرمہ کا یہ نظریہ درست نہیں ہے اور سبط ابن جوزی اور ذھبی نے اس کی تائید کی ہے دشمنی اہل بیت رکھنے والوں سے اسی طرح کی امید کی جاسکتی ہے۔

عکرمہ کے حالات زندگی پر ایک نظر

عکرمہ بربری [2] مشہور ترین زندقیوں میں تھا۔ اسلام میں شک وشبہ ایجاد کرنے کے لئے حدیث جعل کرتا تھا۔ معتبر کتابوں سے اس کے حالات زندگی کے کچھ گوشہ پیش کرتے ہیں۔ [3]

۱۔ دین میں شبہ ایجاد کرنا

نقل ہے کہ عکرمہ اسلام میں شبہ پیدا کرتا تھا اور دین کا مذاق اڑاتا تھا اور یہ مشہور ترین گمراہوں اور بدخواہوں میں تھا......

وہ کہتا تھا: خدا نے آیات متشابہ قرآن کو نازل کیا تا کہ اس کے ذریعہ گمراہ کرے!

---

[1] الدر لمنثور ۶ / ۶۰۳

[2] مغربی افریقہ کی ایک قوم "برابر" ہے اس سے بربری منسوب ہیں۔ رجوع کیجئے فرھنگ ابجدی ۱ / ۱۸۰

[3] عکرمہ کے حالات کے لئے رجوع کیجئے: الطبقات الکبریٰ ۵ / ۱۲۹ (محمد بن سعد بصری)، وفیات الاعیان ۳ / ۲۶۵ (محمد بن خلکان)، میزان الاعتدال ۵ / ۱۱۶ (ذھبی، شمس الدین)

حج کے زمانے میں بھی کہتا تھا: مجھے پسند ہے کہ آج حج کے موقعہ پر ہوں اور وہ نیزہ جو میرے ہاتھ میں ہے، حاضرین پر دائیں سے اور بائیں سے حملہ کروں۔

وہ مسجد النبی کے دروازہ پر کھڑا ہو کر کہتا ہے: اس مسجد میں، فقط ایک مٹھی بھر کے افراد موجود ہیں!

کہتے ہیں: وہ نماز نہیں پڑھتا تھا، سونے کی انگوٹھی پہنتا اور، موسیقی وغنا سنتا تھا۔

۲۔ وہ خوارج کا حامی تھا

افریقہ کے لوگوں نے عقیدہ صفریہ۔ خوارج افراطی۔ کو عکرمہ سے لیا ہے۔ نقل ہے کہ اس نے اس عقیدہ کی جھوٹی نسبت ابن عباس کی طرف دی ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں: مالک، نے عکرمہ کا ذکر نہیں کیا ہے؛ کیونکہ عکرمہ نے عقیدہ صفریہ کو قبول کیا تھا۔ ذھبی اس کے بارے میں کہتے ہیں: لوگ عکرمہ کو برا کہتے تھے اس کے خارجی عقیدہ کی وجہ سے۔

۳۔ عکرمہ کا جھوٹا ہونا

عکرمہ اپنے جھوٹ کو ابن عباس کی طرف نسبت دیتا تھا۔ اسی وجہ سے علی بن عبداللہ بن عباس نے اسے اپنے گھر کے بیت الخلاء میں بند کیا تھا۔

علی بن عبداللہ بن عباس سے پوچھا گیا: کیوں اپنے غلام سے اس طرح کا سلوک کرتے ہو؟

جواب دیا: وہ میرے والد پر جھوٹ کی نسبت دیتا ہے۔

نقل ہوا ہے کہ: سعید بن مسیب نے اپنے غلام سے کہا: اے غلام! ایسا نہ ہو کہ تو بھی عکرمہ کی طرح مجھ سے جھوٹی باتیں منسوب کر دے جیسا کہ وہ ابن عباس کی نسبت جھوٹی باتیں کہتا تھا؟

ابن عمر سے بھی نقل ہوا ہے کہ اپنے غلام سے کہا: اے نافع آگاہ رہو! تقوائے الٰہی اختیار کرو اور عکرمہ کی طرح کہ ابن عباس پر جھوٹ کی نسبت نہ دینا، تو مجھ پر جھوٹ کی نسبت نہ دینا!

قاسم، سیدین و یحییٰ بن سعید اور مالک نے بھی متفقہ طور پر کہا کہ عکرمہ بہت جھوٹا ہے۔ یہاں تک کہ مالک نے اس کی روایت کو نقل کرنے کو حرام قرار دیا۔

ابن ابی ذئب سے نقل ہوا ہے کہ عکرمہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ مسلم بن حجاج نے بھی اس سے منہ موڑ لیا اور محمد بن سعد عکرمہ کے بارے میں کہتے ہیں: اس کی حدیث سے استناد نہیں ہوسکتا۔

۴۔ لوگوں نے اس کے جنازہ کو تنہا چھوڑ دیا

لوگوں نے اس کی ان حرکتوں کی وجہ سے اس کے جنازہ کو تنہا چھوڑ دیا۔ کوئی اس کی میت کو اٹھانے کو تیار نہ ہوا یہاں تک کہ چار سیاہ پوست سوڈانی غلاموں کو اجیر بنایا گیا۔

تذکر

عکرمہ جیسے دشمن اھلبیت کی خباثت و نجاست کے حالات کتابوں میں درج ہیں۔ عکرمہ سے حدیثوں کو نقل کرنے والے اور اس کی تائید کرنے والے اپنی اصلیت کی طرف متوجہ ہوں۔ دنیا شقاوت سے سعادت میں بدلنے کے لئے ہے۔ دنیا میں ملنے والی مہلت کا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اب ملاحظہ ہو اختصار کے ساتھ مقاتل اور ضحاک کے حالات۔

مقاتل کون تھا؟

مقاتل بن سلیمان بلخی نے بھی آیۂ تطہیر کے بارے میں عکرمہ کے نظریہ کی تائید کی ہے۔ اس کی زندگی پر بھی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ بھی عکرمہ ہی کی طرح تھا؛ اسی لئے دار قطنی، عقیلی، ابن جوزی اور ذھبی نے اس کا نام ان افراد میں لیا ہے جو نقل حدیث میں ضعیف ہیں اور ان کے ذریعہ روایت نقل نہیں کی جاسکتی......

اختصار کی بنا پر ہم صرف ذھبی کا قول نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: تمام علماء مقاتل بن سلیمان کو ترک کرنے پر اتفاق رکھتے ہیں۔ [۱]

ضحاک نے دوسرے نظریات کے مقابلہ میں نظریہ پیش کیا کہ آیۂ تطہیر میں ''اھلبیت'' سے مراد اھل پیغمبر اور ان کی ازواج بھی ہیں۔ ابن جوزی نے اس نظریہ کو نقل کیا اور لکھا کہ یہ نظریہ صرف ضحاک بن مزاحم کا ہے۔

ضحاک کون تھا؟

---

[۱] سیر اعلام النبلاء ۷/ ۲۰۱، شمارہ ۷۹

ابن جوزی نے، عقیلی کی طرح ضحاک کو ان افراد میں شمار کیا ہے جو نقل حدیث میں ضعیف ہیں۔ ذھبی نے بھی ان دونوں کی پیروی میں اسے نقل حدیث میں ضعیف قرار دیا اور اس کے نام کو اپنی کتاب ''المغنی فی الضعفاء'' میں ذکر کیا ہے۔

ان لوگوں نے اس احتمال کو کہ اس نے ابن عباس کو دیکھا ہے، انکار کیا ہے، بلکہ ان میں سے بعض نے لکھا ہے کہ: ضحاک نے کسی ایک صحابی پیغمبرؐ سے گفتگو بھی نہیں کیا ہے۔

ضحاک کے بارے میں یحییٰ بن سعید سے یوں نقل ہوا ہے: ہماری نظر میں ضحاک نقل حدیث کے لئے ضعیف ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ دوسال تک شکمِ مادر میں رہا۔ ۱؎

تیسرے گروہ کا ایک نمونہ

جیسا کہ ہم نے ابتداء ہی میں یہ بات نقل کی ہے کہ تیسرے گروہ نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بزرگ اصحاب کے نظریہ کے برخلاف ضحاک کے نظریہ پر عمل کیا ہے۔ ذرا ملاحظہ ہو۔

ابن کثیر دمشقی کا شمار ہم تیسرے گروہ میں کرتے ہیں۔ انھوں نے عکرمہ کے جھوٹ کو نقل کرنے کے بعد لکھا:

''اگر عکرمہ کا مقصود یہ ہے کہ صرف پیغمبرؐ کی ازواج اس آیت کی شانِ نزول ہیں اور افراد دیگر نہیں تو صحیح ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ ازواج پیغمبر کے علاوہ کوئی دوسرا اس آیت میں مراد نہیں ہے، تو یہ بات محل تامّل اور غور وفکر کے لائق ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں وارد ہونے والی حدیثوں میں مراد اس سے وسیع تر ہے۔''

اس کے بعد ابن کثیر بہت سی حدیثوں کو نقل کرتے ہیں جو صراحت سے اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ یہ آیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے جانشین امیر المومنین علی، حسنین وصدیقہ طاہرہ علیہم السلام سے مخصوص ہے اور ثابت کرتی ہیں کہ عکرمہ کی بات کتاب وسنت کے خلاف ہے۔

ہائے رے تعصب

لیکن اس کا تعصب اجازت نہیں دیتا کہ اس موضوع کا اعتراف کرے، یہاں تک کہ سیاق آیت سے ربط کے بعد کہتا ہے: آیت سے مراد ازواج پیغمبر بھی ہیں۔

پھر انتہائی تاکید سے کہتا ہے: ''جو قرآن کی آیتوں میں تدبر کرتا ہے وہ تردید نہیں کریگا کہ ازواج پیغمبر اس آیت کے مصادیق سے ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَھِّرَکُمۡ تَطۡھِیۡرًا

کیونکہ سیاق آیت ازواج کے بارے میں ہے۔ ۲؎

ابن تیمیہ کا اس حدیث کے صحیح ہونے کا اعتراف:

تعجب یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے ان دونوں نظریات میں

۱؎ تہذیب الکمال ۹ / ۱۷۳، میزان الاعتدال ۳ / ۴۴۶، المغنی فی الضعفاء ۱ / ۳۱۲

۲؎ تفسیر القرآن العظیم ۳ / ۴۶۵۔ تفسیر ابن کثیر کے نام سے معروف ہے۔ تالیف ابوالفداء اسماعیل بن کثیر قرشی دمشقی، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، طبع سوم ۱۴۰۹ھ

سے کسی کو قبول نہیں کیا ہے، بلکہ علامہ حلّی رحمۃ اللہ علیہ کے اس حدیث کے صحیح ہونے کا استدلال کا اقرار کیا ہے۔

علامہ حلّی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم یہاں صرف کچھ روایتوں کو نقل کرتے ہیں جو اہل سنت کے نظریہ کے تحت صحیح روایتیں ہیں اور ان لوگوں نے اپنے معتبر اقوال و آثار کے تحت نقل کیا ہے۔ ان روایتوں کو نقل کرتے ہیں تا کہ روز قیامت ان پر ہماری حجت تمام ہو جائے۔ منجملہ ایک روایت ہے کہ ابوالحسن اندلسی نے اپنی کتاب الجمع بین الصحّاح السّتہ میں ''موطّا'' مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، صحیح ترمذی اور صحیح نسائی سے نقل کیا ہے۔

اس روایت میں امّ سلمہ کہتی ہیں:

آیت (اِنَّمَا یُرِیْدُ اللہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا) میرے گھر میں نازل ہوئی اس حالت میں کہ میں دروازہ کے سامنے بیٹھی تھی۔ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا میں اہل بیت سے نہیں ہوں؟

پیغمبر نے فرمایا:

اِنَّکِ عَلٰی خَیْرٍ، اِنَّکِ مِنْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ

تم خیر پر ہو اور پیغمبرؐ کی بیویوں سے ہو۔

ام سلمہ رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں: میرے گھر میں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی، فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام تھے، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو اپنی عبا میں داخل کیا اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ فَاذْھَبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا [1]

بارالٰہا! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ آلودگی کو ان سے دور رکھ اور انھیں ویسا پاک و پاکیزہ رکھ جیسا پاک و پاکیزہ ہونا چاہیے۔

ابن تیمیہ اس بارے میں ایک الگ فصل میں کہتا ہے:

حدیث کساء ایک صحیح حدیث ہے؛ احمد بن حنبل اور ترمذی نے اسے امّ سلمہ رحمۃ اللہ علیہا سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں عائشہ سے اس طرح نقل کیا ہے:

''ایک روز پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے جلدی نکلے، اس حالت میں کہ ان کے دوش مبارک پر اُون کی ایک سیاہ عبا تھی۔ اس موقعہ پر حسن بن علی علیہ السلام ان کے نزدیک آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اپنی چادر میں لے لیا، پھر حسین بن علی علیہ السلام آئے اور انھیں بھی عبا کے دامن میں لے لیا۔ کچھ دیر بعد فاطمہ سلام اللہ علیہا آئیں وہ بھی زیرِ کساء قرار پائیں اور ان کے بعد، علی علیہ السلام آئے اور وہ بھی چادر میں آ گئے۔

پھر حضرت نے فرمایا:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا

ابن تیمیہ اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث فاطمہ سلام اللہ علیہا میں حسن و حسین کو علی علیہم السلام کے ساتھ شریک کیا ہے، اس بنا پر یہ

---

[1] منہاج الکرامۃ فی معرفۃ الامامۃ/ ۸۴، ۸۵ وجہ ششم از فصل دوم، تالیف علامہ حلّیؒ

فضیلت (عصمت) حدیث میں صرف ان سے مخصوص فضیلت نہیں ہے اور واضح ہے کہ عورت امامت کی صلاحیت نہیں رکھتی، اس طرح معلوم ہوا کہ یہ فضیلت (عصمت) ائمہ سے مخصوص نہیں ہے، بلکہ ائمہ کے علاوہ بھی اس میں شریک ہیں۔

دوسری طرف، مذکورہ حدیث کا مضمون یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ نے ان کے لئے دعا کی تا کہ وہ لوگ آلودگی سے دور ہو جائیں اور پاک ومنزہ ہو جائیں اور جو انتہائی بات اس حدیث سے استفادہ کی جا سکتی ہے یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ان کے لئے دعا کی تا کہ وہ لوگ پرہیزگاروں میں سے ہو جائیں کہ خدا نے رجس کو ان سے دور کیا اور انھیں پاکیزہ کیا ہے؛ جب کہ آلودگی سے اجتناب مومنین کے لئے واجب تھا اور تمام مومنین اس کے لئے مامور ہیں۔ خدا کا ارشاد ہے۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ [1]

خدا نہیں چاہتا کہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کر دے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا [2]

اے رسول تم ان کے مال کی زکات لو اور اس کے وسیلہ سے انھیں پاک و پاکیزہ کر دو۔

ایک دوسری آیت میں آیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ [3]

خدا توبہ کرنے والوں کو اور جو لوگ پاکیزگی کو تلاش کرتے ہیں، پسند کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے پیغمبر ﷺ نے دعا کی کہ وہ لوگ واجبات پر عمل کر سکیں اور محرّمات کو ترک کریں۔

ایک طرف خدا نے ابوبکر کے لئے یوں فرمایا:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿١٩﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾ [4]

اور جو بڑا پرہیزگار ہے وہ اس سے (نار سے) بچا لیا جائے گا جو اپنا مال (خدا کی راہ) میں دیتا ہے تا کہ وہ پاک ہو جائے اور کسی پر اس کا کوئی احسان نہیں جس کا اسے بدلہ دیا جاتا ہو بلکہ وہ تو صرف اپنے بلند و عظیم پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے اور عنقریب ہی خوش ہو جائے گا۔

اسی طرح ابن تیمیہ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۰ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مہاجرین وانصار نے خدا کے فرمان کو انجام

---

۱ سورہ مائدہ/۶

۲ سورہ توبہ/۱۰۳

۳ سورہ بقرہ/۲۲۲

۴ سورہ لیل/۱۷ تا ۲۱

دیا اور جو منع کیا گیا اس سے خود کو روکا یعنی ان لوگوں نے خدا کی رضایت اور دین کی پیروی کے ذریعہ خود کو پاک و پاکیزہ کر لیا۔ خلاصہ یہ کہ ابن تیمیہ کے مطابق پیغمبرؐ کی دعا جو اھل کساء کے لئے تھی اس دعا کا کچھ حصہ انصار و مہاجرین کے لئے بھی تھا اور ابن تیمیہ نے اسی لئے یہ کہا کہ انصار و مہاجر سے افضل نہیں ہیں اہل کساء۔ [1]

ابن تیمیہ کی باتوں کا خلاصہ

۱۔ اعتراف کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے کہ آیۂ تطہیر اھل کساء کے لئے نازل ہوئی اور کسی دوسرے شخص کے لئے نہیں۔

۲۔ اعتراف ہے کہ علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے علاوہ اس آیت میں کوئی دوسرا شامل نہیں ہیں۔

اس بنا پر پوچھنا چاہیے: عکرمہ کی باتیں، آیت کا سیاق اور ابن کثیر کے عقیدہ کا کیا ہوا؟

ابن تیمیہ عکرمہ کے نظریہ کو اور دوسروں کے نظریات کو ردّ کرنے کے بعد اور آیت کا عترت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص ہونے کا اعتراف کرنے کے بعد، علامہ حلی رحمۃ اللہ علیہ کے اس آیت کے ذیل میں استدلال کو ردّ کرتے ہوئے، اس انداز میں استدلال کرتا ہے کہ اس کا بطلان کامل طور پر آشکار ہے۔

پہلی بات یہ کہتا ہے کہ ''فاطمہ سلام اللہ علیہا آیت کی مصداق ہیں، پس......''

علامہ حلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استدلال میں دعویٰ نہیں کیا ہے کہ یہ حدیث حضرت علی علیہ السلام کی خصوصیات کو بیان کرتی ہے، بلکہ یہ آیت مبارکہ اور حدیث شریف صرف اہل بیت علیہم السلام یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی مرتضیٰ، فاطمہ زہرا، حسن و حسین علیہم السلام کی عصمت پر دلالت کرتی ہے۔

واضح ہے کہ صرف معصوم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت کے بعد امامت کے لئے صلاحیت رکھتا ہے اور جو بات حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے لئے کہی جا سکتی ہے، خدا نے امامت کو معصوم مردوں سے مخصوص قرار دیا ہے۔

اس کے آگے ابن تیمیہ کہتا ہے:

مذکورہ حدیث کا مضمون یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے لئے دعا کی کہ پرہیزگاروں میں ہوں کہ خدا نے آلودگی کو ان سے دور کیا ہے......

لہٰذا حدیث کا بلند ترین مطلب یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے دعا کی ہے کہ امر و نہی پر عمل کریں۔

ابن تیمیہ کی کم فہمی یا شدّت تعصب

ابن تیمیہ کے تمام اعتراضات کے لئے ایک الگ مضمون کی ضرورت ہے اس لئے ہم اختصار کے ساتھ جوابوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

پہلی بات یہ کہ ابن تیمیہ کی باتیں صراحت کے ساتھ آیۂ مبارکہ سے منافات رکھتی ہیں؛ کیوں کہ کلمہ ''انّما'' عربی

[1] تفصیل کے لئے رجوع کرو منہاج السنة ۵/ ۱۳۔۱۵ (تالیف ابن تیمیہ حرّانی، مصر چاپ دوم ۱۴۰۹

زبان میں ''حصر'' پر دلالت کرتا ہے، لیکن اس کی باتیں عدمِ حصر پر ہیں۔ اس بنا پر اس کی باتیں، خدا اور رسولؐ کی باتوں کو رد کرتی ہیں۔

دوسری بات یہ کہ دوسری بہت سی صحیح روایتوں میں آیا ہے کہ جب یہ آیۂ مبارکہ نازل ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کو بلایا اور عبا میں لے کر فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ھٰٓؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ

بارالٰہا! یہ میرے اہل بیت ہیں......

جب خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ......

اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس آیت کے مصداق کو معین فرماتے ہیں تو کیا ابن تیمیہ کی عدمِ حصر کی بات کو قبول کیا جاسکتا ہے؟

تیسرے یہ کہ فرض کریں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ان لوگوں کے لئے تھی کہ پرہیزگار ہوجائیں، اور ''تمام مومنین کو پاکی کا حکم دیا گیا ہے'' اور اس دعا کا مقصد ''امر'' کے بجالانے اور نہی کے ترک کرنے کے لئے ہے'' تو اس صورت میں اس آیت میں اور حدیث کساء میں کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے جب کہ خود اس (ابن تیمیہ) نے پہلے یہ بات کہی ہے کہ: ''معلوم ہوا کہ یہ فضیلت صرف ائمہ کے لئے نہیں ہے بلکہ دوسروں کے لئے بھی ہے''!!

چوتھے یہ کہ اگر ''دعا کا مقصد جن چیزوں کے کرنے کا حکم ہوا ہے اور جن چیزوں سے منع کیا گیا، ان پر عمل پیرا ہوں تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امّ سلمہ کو ساتھ ہونے کی اجازت کیوں نہیں دی؟

کیا ام سلمہ ''متقین اور پرہیزگاروں میں سے تھیں کہ خدا نے ان سے آلودگی کو دور کردیا......'' اور وہ دعا کی ضرورت نہیں رکھتی تھیں؟ یا پیغمبرؐ نہیں چاہتے تھے کہ وہ متقین پرہیزگاروں میں سے ہوں......؟

بہرحال ابن تیمیہ کی یہ کوشش کہ آیۂ تطہیر میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ خدا کا ارادہ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ہے اہل بیت علیہم السلام کے حق میں وہ پرہیزگار بنیں خلاف واقع ہے۔ اور ابن تیمیہ کا اپنے خیال کو تقویت دے کر یہ کہنا کہ یہ دعا قبول بھی ہوسکتی ہے اور ردّ بھی، تو یہ بھی خود ابن تیمیہ کی اپنی سوچ ہے۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

انشاءاللہ اگر خدا نے زندگی دی اور توفیق رہی تو کسی موقعہ پر ایک مضمون ابن تیمیہ کے ان خرافاتی نظریات کی ردّ میں تحریر کریں گے اور ثابت کریں گے کہ انصار و مہاجرین، ابوبکر و عائشہ و دیگر ازواج، کسی کا اہل بیت علیہم السلام سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ جو لوگ مقابلہ میں آئیں یا جو لوگ مقابلہ میں لائے جائیں سب کا انجام خدا ہی جانتا ہے۔

خدایا! مصداق آیۂ تطہیر حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور میں تعجیل فرما اور ہمیں ان کے اعوان و انصار میں شمار فرما۔

قرآن میں اہمیتِ منصب امامت

يَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمۡ

''اس دن (کو یاد کیجئے) جب ہم تمام انسانوں کو ان کے امامؑ کے ساتھ بلائیں گے۔''

(سورۂ اسراء: آیت ۷۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دینِ اسلام کی تبلیغ بہترین انداز میں فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اپنی امت کی ہدایت کے لئے کوشاں رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر لمحہ اسی فکر میں رہتے تھے۔ اُمّتِ مسلمہ کی رہنمائی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد مقامات و مختلف مواقع پر نصیحتیں فرمائی ہیں۔ بالخصوص اپنی زندگی کے آخری سال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا اس موضوع پر خطبے دیئے ہیں۔ عین رحلت کے وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت نے شدّت اختیار کرلی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے کاغذ و قلم طلب کیا تاکہ اُن کی رہنمائی کے لئے ایک نوشتہ تیار کر دیں جو اُن کو گمراہی سے بچاسکے۔ مگر افسوس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگوں نے یہ کام نہیں کرنے دیا نتیجے کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے فوراً بعد ہی مسلمان گمراہی کا شکار ہو گئے۔ نتیجتاً آج حالت یہ ہے کہ ہر فرقہ خود کو ہدایت یافتہ اور دوسروں کو گمراہ اور اسلام سے خارج سمجھتا ہے۔ یہ اختلافات معمولی نہیں ہیں صرف فقہی بھی نہیں ہیں بلکہ ان میں اصولی طور پر عقائد اور بنیادی معاملات میں بھی انحراف ہیں۔ اِن متنازعہ موضوعات میں سب سے اہم مسئلہ، مسئلۂ امامت ہے۔

مسلمانوں کی اکثریت امامت کو دنیوی اَمر سمجھتی ہے جب کہ شیعوں کے یہاں یہ دین کے اصولوں میں سب سے اہم اصول ہے۔ اہلِ تسنن کے یہاں امامت ایک دنیوی منصب ہے یعنی ایک حاکمِ دوراں ہی امام ہوتا ہے۔ جس کی حکومت ہے وہی امام ہے جب کہ شیعوں کے یہاں امامت کو الٰہی منصب مانا جاتا ہے۔ یعنی خود اللہ بناتا ہے۔ اس بات کے دلائل قرآن میں موجود ہیں۔

امام کے معنی سربراہ، سرپرست اور رہنما کے ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں اس لفظ کو متعدد آیتوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اسی لفظ کے ایک اور ہم معنی لفظ ''اولوالامر'' بھی قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ ہر معاشرہ اور سماج کو ایک سربراہ اور رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ وہ شخص ہوتا ہے جس کے ہاتھوں میں زمامِ امور ہوتے ہیں۔ اُس کی سرپرستی سے سماج کے اختلافات رفع ہوتے ہیں اور فتنہ وفساد دور رہتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مومنوں پر ایک اولوالامر کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ۝٥٩

(سورۂ نساء/آیت ۵۹)

''اے ایمان لانے والوں اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اور اُن لوگوں کی اطاعت کرو جو صاحبِ امر ہیں۔ اگر تم میں آپس میں کوئی تنازعہ ہو تو اس کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف پلٹا دو (یعنی ان سے فیصلہ لو) اگر تمہارا اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان ہے یہی خیر ہے بہترین تاویل ہے۔''

اس آیت میں اولوالامر کی اطاعت کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت سے متصل کر دیا ہے یعنی یہ انھیں احکام پر عمل کرے گا جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوئے ہیں۔ دراصل رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غیر موجودگی میں اس اولوالامر کی اطاعت ہی رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانشینی ہے۔ اِس امام کی ضرورت سماج کو بالکل اسی طرح ہے جیسے اُن کو خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی ذمہ داریوں میں یہ ہے کہ وہ مسلمانوں میں عدل وانصاف قائم کرے، اُن کو قرآن کی تعلیم دے، لوگوں کے اختلافات کو رفع کرے، اسلامی حدود جاری کرے وغیرہ۔ اِن ذمّہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے اس کے پاس قرآن کا مکمل علم ہونا چاہیے۔ اس میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ قرآن وسنتِ رسولؐ سے پوری طرح واقف ہو۔ یہ سب اُسی وقت ممکن ہے جب اس کے پاس براہِ راست اللہ سے ہدایت حاصل ہو۔ قرآن میں بھی اس بات کا ذکر ہے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

(سورۂ انبیاء/آیت ۷۳)

''ہم نے اُن کو ائمہؑ بنایا ہے جو ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں۔ ہم ان کی طرف وحی کرتے ہیں نیک کاموں کے لئے، نماز قائم کرنے کے لئے، اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اور وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے ہیں۔''

اس آیت میں اور اس طرح کی دوسری آیات میں لفظ ''جعلنا'' استعمال ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ ائمہ کا انتخاب خود اللہ کرتا ہے۔ جس طرح دین کی تبلیغ کے لئے انبیاء اور رسول کو خدا چنتا ہے۔ اسی طرح امام کا انتخاب بھی اسی کا کام ہے۔ اس میں امت کا دخل نہیں ہے۔ اُمّت خود اپنے لئے امام چننے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی۔ شیخ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الاحتجاج میں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ سعید بن عبداللہ ایک مرتبہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں کچھ سوالات لے کر حاضر ہوئے۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ امام علیہ السلام کی گود میں ایک کمسن بچہ بیٹھا ہوا ہے۔ جب سعید نے اپنے سوالات پوچھنے شروع کئے تو حضرتؑ نے اس بچہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے سوالات کو اپنے صاحبِ امرؑ سے پوچھو۔ اِن سوالات میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ امت اپنے لئے امام خود کیوں نہیں منتخب کر سکتی؟ حضرتؑ نے اس سوال کی وضاحت چاہی۔ ''تم کس امام کی بات کر رہے ہو۔ جو امامِ عادل ہے اور لوگوں کی اصلاح کرتا ہے یا وہ جو کہ مفسد ہے اور لوگوں میں فساد برپا کرتا ہے؟''

سعید نے کہا: ''جو امامِ عادل ہے اور لوگوں کی اصلاح

کرتا ہے۔''

حضرتؑ نے فرمایا: کیا یہ ممکن ہے کہ لوگ ایک شخص کو عادل اور مصلح سمجھ کر منتخب کریں جب کہ خود اُس کے دل میں فساد بھرا ہوا ہو۔ جس کا لوگوں کو علم نہیں ہے؟ سعید نے جواب دیا: ہاں! ممکن ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''یہی وجہ ہے کہ امت کے بس کا نہیں ہے کہ وہ خود اپنے لئے امام منتخب کرے۔ اس بات کو میں ایک مثال کے ذریعہ واضح کرتا ہوں تا کہ تم اسے اچھی طرح سمجھ جاؤ۔ اللہ نے اپنے رسولوںؑ کو لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ اُن کو علم وحکمت سے آراستہ کیا۔ اُن کو عصمت عطا فرمائی، بلند درجات پر فائز کیا۔ اُن پر کتاب نازل فرمائی تا کہ وہ اپنی امت کی ہدایت کر سکیں۔ ان میں جنابِ موسیٰؑ اور جنابِ عیسیٰؑ بھی ہیں۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے کامل علم وحکمت کے باوجود لوگوں کے انتخاب میں غلطی کریں اور منافقوں کو مومن سمجھ بیٹھیں۔ سعید نے جواب دیا! نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا:

''کلیم اللہ جنابِ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی حکمت اور علم کے باوجود اپنی امت سے جن ستر افراد کو خدا کی ملاقات کے لئے چُنا تھا یہ سمجھ کر کہ یہ سب اپنے ایمان میں بلند ہیں اور نیکوکار ہیں۔ وہ سب کے سب ویسے نہیں تھے بلکہ منافق نکلے۔''

(سورۂ اعراف/آیت ۱۵۵)

جب اللہ کے بنائے ہوئے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انتخاب میں برے لوگ نکل آئے اور ان کے ظاہر کی بناء پر بدترین، مفسد لوگوں کو نیکوکار اور معتبر سمجھ لیا تو عام لوگوں کے انتخاب کا کیا اعتبار کیا جائے جب کہ اُن کو کسی دوسرے کے دل کے حال کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ اس لئے امام کا انتخاب اسی کے لئے درست ہے جو لوگوں کے ظاہر و باطن دونوں سے بخوبی واقف ہے۔ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہی ہے۔ جب ایک نبی علیہ السلام اپنی قوم کے بہترین افراد کو نہیں چن سکتا تو پھر انصار ومہاجرین کس طرح اپنے لئے ایک امام چُن سکتے ہیں؟

قرآن نے جنابِ ابراہیم علیہ السلام کے امام بنائے جانے کی پوری داستان بیان کی ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

(سورۂ بقرہ/آیت ۱۲۴)

''جب ابراہیمؑ کے سامنے ان کا امتحان کلمات کے ذریعہ لیا اور ان کو اس امتحان میں کامیاب پایا تو اُن سے کہا: (اے ابراہیمؑ) میں نے تم کو لوگوں کا امام بنایا۔ (اس پر ابراہیمؑ) نے درخواست کی (مالک اس منصب کو) میری ذرّیت میں بھی منتقل کردے۔ خدا نے جواب دیا: میرا یہ عہد ظالموں کو نہیں مل سکتا۔''

اللہ اور اس کے خلیل کی اس گفتگو سے دو باتیں واضح ہو گئیں: اس منصبِ امامت کو نبی علیہ السلام بھی اپنی ذرّیت میں بغیر خدا کی اجازت کے منتقل نہیں کرسکتا۔ یہ مقام صرف اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس منصب کے لئے معصوم ہونا شرط ہے۔ گنہگار اس منصب کو نہیں پا سکتا۔ اس لئے امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

امامت کے موضوع پر قرآنی آیتوں پر نظر کرنے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ امام علیہ السلام امت کے ہادی ہوتے

ہیں۔مثلاً یہ فقرہ ''یہدونَ بِأمرِنَا'' یہ ہمارے امر سے لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں۔یہ عین مقصدِ نبوت ہے۔لوگ اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ کس طرح اللہ کی عبادت کریں یا یہ کہ خدا کی عبادت کا صحیح طریقہ کیا ہے۔انسان اپنی عقل وفہم سے ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔اس لئے اللہ نے اُن کے درمیان انبیاء کو مبعوث کیا جو لوگوں تک خدا کے قوانین اور شریعت کو دین کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔خدا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک اِن ہدایت کو وحی کے ذریعہ پہنچاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی امت کو ان چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں۔کیونکہ امامت نبوت کا بدل اور لازمہ ہے اس لئے ان امور کو پورا کرنا امام کی ذمہ داری ہوتی ہے۔اس آیت میں اس بات کا واضح ذکر ہے "**واوحینا الیھم فعل الخیرات**......"

اس طرح امت کی عبادت کا دارومدار امامؑ کی ہدایات پر ہوتا ہے۔اگر امام صحیح نہیں ہے تو پوری امت کی عبادتیں خراب ہوجائیں گی۔جنابِ موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو آپؑ نے اپنے بھائی اور وصی جنابِ ہارونؑ کو قوم کا سرپرست اور اپنا خلیفہ معین کیا تھا۔تاکہ اُن کی غیر موجودگی میں قوم گمراہ نہ ہوجائے۔مگر اُن کی امت نے اپنے لئے سامری کو امام چُن لیا اور اُس کی ہدایات پر عمل کرنا شروع کردیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ پوری قوم گمراہ ہوگئی۔یہی ماجرا تمام امتوں کا ہوا۔جن امتوں نے خدا کے منتخب کردہ امام وسرپرست کی اطاعت نہیں کی وہ گمراہ ہوگئی۔اُن کی پیروی نے انھیں جہنم کا ایندھن بنادیا۔اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان بھی اپنی نجات کے لئے انھیں کی امامت کو تسلیم کریں جن کو خدا نے بنایا ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کے سامنے اس کا اعلان کیا ہے اور وہ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام اور ان کی ذریت کے گیارہ امام معصوم علیہم السلام ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو امام برحق کی اطاعت وفرمابرداری کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے حقیقی وارث حجتِ خدا امام زمانہ علیہ السلام کے ظہور میں تعجیل فرمائے۔آمین۔

صفحہ نمبر ۴ سے آگے............ ہے بلکہ خدا کے حق کے سامنے تسلیم ہوجانا ہے اور خدا کے مقرر کردہ پر ایمان لے آنا ہے۔

اگر خلافت کو منصب اور خصوصیات کی جانشینی نہ تصور کیا جائے بلکہ شخص کی جانشینی تسلیم کرلیا جائے تب بھی حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جانشین ان کی اولاد یا حداقل وکم ازکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریبی ترین رشتہ دار کو ہونا چاہیے۔

دونوں صورتوں میں بس اور بس صرف اور صرف حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام جانشین ہوسکتے ہیں کوئی اور نہیں۔

جس طرح خدا نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو برحق منتخب فرمایا ان کے جانشین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو بھی معین فرمایا ان کے جانشینوں کا تقرر وتعین بھی بس خدا کا حق ہے ہمارا کام تسلیم ہوجانا اور ایمان لے آنا ہے۔خداوند عالم نے اس سلسلہ کی آخری کڑی حضرت حجۃ بن الحسن العسکری عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی ذات بابرکت قرار دی ہے۔جو اس سلسلۂ ہدایت کی آخری کڑی ہیں زندہ ہیں جن کی آمد کا ہم سب شدّت سے انتظار کررہے ہیں تاکہ ایک جشنِ غدیر تاجدارِ غدیر کی صدارت میں منعقد کرسکیں۔

اس صبح درخشاں کی امیدیں۔**والسلام الحمد للہ ربّ العالمین**